برصغیر میں نسائیت کی خوبصورت آواز: پروین شاکر

ڈاکٹر بلال احمد میر

یونیورسٹی آف حیدرآباد (حیدرآباد، دکن) موبائل:9133096072

نسائیت اور تانیثیت دو الگ معنوں میں ایک استعمال ہوتے ہیں۔ نسائیت ان تجربات، خیالات اور احساسات جو خواتین کی جسمانی ساخت، گھریلو ماحول اور مخصوص پرورش کا نتیجہ ہیں، نسائیت کے زمرے میں شمار کیے جاتے ہیں۔اس کے برعکس تانیثیت ،حیاتیاتی جبر (Biological Determinition) کو رد کرتی ہے اور سماج کی طرف سے عائد کردہ مروجہ تعریفوں (Definition) کو ماننے سے انکار کرتی ہے۔

۲۴ر نومبر ۱۹۵۲ء کو افضل النساء اور سید شاکر زیدی کے یہاں ایک پری نے جنم لیا۔ جسے آج دنیا پروین شاکؔر کے نام سے جانتی ہے۔انھوں نے قلیل عمر پا کر اس فانی دار کو خیراباد کہا۔۲۴ر دسمبر ۱۹۹۴ء میں ایک کار حادثے میں جاں بحق ہوئی۔ جس سے اردو ادب ایک بڑی شاعرہ سے محروم ہوگیا۔

انھوں نے بہت چھوٹی سی عمر میں شعر و شاعری کا آغاز کیا، پروین سے پہلے کسی شاعرہ نے نسوانی جذبات کو اتنی نزاکت سے بیان نہیں کیا ہے۔انھوں نے الفاظ اور جذبات کو ایک انوکھے تعلق میں باندھ کر سادہ الفاظ میں نسائی انا، خواہش اور انکار کو شعر کا روپ دیا:

کو بہ کو پھیل گئی بات شناسائی کی
اس نے خوشبو کی طرح میری پذیرائی کی

نسوانی جذبات کو انھوں نے اپنی غزلوں میں ایسا بھر دیا جس کی مہک سے نسوانیت کا سارا باغ معطر ہوا۔ وہ اس چیز کو کچھ اس طرح بیان کرتی ہیں۔انھوں نے اپنی شاعری میں صنف نازک کے جذبات کی تصویریں ایسی دلکش بنائیں جو ہر ایک کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہیں:

اس نے جلتی ہوئی پیشانی پہ جب ہاتھ رکھا
روح تک آگئی تاثیر مسیحائی کی

ان کی شاعری میں روایت سے انکار اور بغاوت بھی نظر آتی ہے۔ پروینؔ جب انتقاماً ایسا کوئی فعل کرتی ہیں۔ جو محنت کے شایان شان نہیں ہوتا تو دراصل اس وقت پروینؔ خود پروین نہیں ہوتیں بلکہ ان کے اندر ”تیرے جیسا“، یعنی محبوب کا کردار سرایت کر جاتا ہے:

مجھے تجھ سے جدا رکھتا ہے اور دکھ تک نہیں ہوتا
میرے اندر ”تیرے جیسا“ یہ آخر کون ہے

پروین شاکؔر کی شاعری میں تعلقات کے برزخ اور باہمی اجتناب کی تصویریں دیکھنے کو ملتی ہیں وہیں ان کے شعروں میں کبھی کبھی دوستی اور محبت کے جگنو سے نسوانی روشنی ضو کرتی ہے:

شہر جمال کے خس و خاشاک ہو گئے
اب آئے ہو جب آگ سے ہم خاک ہو گئے

پروینؔ اردو شاعرات میں ایک ایسی لکھنے والی تخلیق کار ہیں جن کے یہاں روایتی بناوٹ، تکالیف اور خوف نظر تو نظر آتا ہے، لیکن وہ اپنی روح کو دبانا پسند نہیں کرتیں بلکہ اپنی ژرف نگاہی اور حق گوئی سے قاری کو عورت کی نازک اور لطیف ترین کیفیتوں سے آشنا ہونے میں مدد دیتی ہیں۔ان کی شاعری میں عورت کی سسکتی کراہ نہیں بلکہ احتجاجی رویہ ہے روبینہ میران کی نسوانی شاعری کے بارے میں یوں رقم طراز ہیں:

> ”پروینؔ کے یہاں شوہر پرستی کے جن جذبات کا اظہار بار بار کیا گیا ہے وہ انفرادی نہیں۔مشرقی خواتین کے لیے شوہر کا مرتبہ خدا کی عبادت کے بعد سب سے بڑا ہے۔مشرقی عورت کا یہ ایمان بھی ہوتا ہے کہ شوہر کے بھرے لمس کی طاقت ہی عورت کو جینے کا سہارا دیتی ہے۔ پروین کی شاعری میں ازدواجی رشتے کے تناظر میں عورت اول بھی عورت ہے اور آخر بھی، اس کے یہاں شوہر محبت اور نفرت کے جھٹکوں کے درمیان جھولتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔“[1]

پروینؔ کی شاعری میں ازدواجی زندگی کا انعکاس نمایاں طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ان کی شاعری میں جس عورت کا تصور ابھرتا ہے وہ اس کا وہی شریک حیات ہے جس سے وہ کوٹ کوٹ کر محبت کرتی ہے، کبھی کبھی قاری کو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کہ یہ محبت ایک طرفہ ہے:

کانپ اُٹھتی ہوں میں یہ سوچ کے تنہائی میں
میرے چہرے پہ تیرا نام نہ پڑھ لے کوئی

اور کچھ پل اس کا رشتہ دیکھ لوں
آسماں پر ایک تارہ اور ہے

ان کی شاعری میں اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ اس کے لیے دوست کا قرب سرمایۂ حیات ہے چاہے یہ قرب دو گھڑی ہی کا سہی چاہیے اس کے بعد قسمت میں دربدر ہونا ہی کیوں نہ لکھا ہوا ہو:

دو گھڑی میسر ہو اس کا ہم سفر ہونا
پھر ہمیں گوارہ ہے اپنا دربدر ہونا

ان کی غزلوں میں ہجر و وصال کی دھوپ چھاؤں برابر ساتھ ہوتی ہے اور ان کی غزلوں میں الزامات کا رنگ بھی ہے جو اپنے محبوب پر لگاتی ہوئی نظر آتی ہے:

وہ تو جاں لے کے بھی ویسا ہی سبک نام رہا
عشق کے باب میں سب جرم ہمارے نکلے

پروین شاکر نے شاعری کے ذریعے عورت کو نیا کردار دیا ہے ناانصافی، جبر و منافقت اور عورتوں کے استحصال کے خلاف اس کا علم بلند ہی رہا:

سہہ لیا بوجھ بہت کوزہ و آب و گل کا
اب یہ اسبابِ سفر ہم کو کہیں رکھنا ہے

ڈاکٹر اعجاز راہی ان کی شاعری کے بارے میں یوں رقم طراز ہیں:

''اوپر کے مصرعوں میں پروین کے لہجے کا درد ایک شدید معاشرتی استبداد کو ظاہر کرتا ہے اور اس سے قبل زندگی کے سچ بولنے کی اس سے بڑی مثال نہیں ملتی۔''[۲]

پروین خواہ کتنی ہی بیروکیٹ اور سماجی نقاد کیوں نہ بن جائیں بنیادی طور پر وہ ایک روایتی عورت ہونا حق سمجھتی ہیں، احمد ندیم قاسمی ان کی شاعری کے بارے میں یوں رقم طراز ہیں:

''جذبے کی سچائی سے پروین نے اردو شاعری کے قارئین کے دل و دماغ دونوں کو ان کی گہرائیوں کی آخری حد تک متاثر کیا ہے۔ وہ سچائی ''خوشبو'' میں اس کے ذاتی کرب کی ٹیس تھی۔''[۳]

پروین کی شاعری میں نسوانیت کی خوب صورت آواز گونجتی ہے۔ ان کی شاعری میں نسوانی جذبے کی صداقت ہے۔ وہ اپنے خیال و فکر کو پوری وضاحت، دیانت اور شفافیت کے ساتھ بیان کرتی ہے۔ ان کی شاعری میں معمولاتِ عشق سے لے کر سیاست، معاشرت میں کسی قسم کا ابہام، اخلاق اور الجھاؤ نہیں چھوڑتیں، لطافت، شوخی، خیال کا جمال اور احساس کی نازکی بھی نسوانیت کے تمام تر حسن و دل کشی کے ساتھ پروین شاکر کے یہاں جلوہ گر ہیں۔

ان کی شاعری میں بارش، شبنم، نور، روشنی، رنگ، دھوپ، جنگل، آندھی، ہوا، گلاب، تتلی، سانپ وغیرہ مظاہر خوشبو فطرت وہ اشعار ہیں، جو پروین کی نسوانی شاعری کو کردار فراہم کرتے ہیں اور کمال یہ ہے کہ انھوں نے اس میں نسوانیت کو تراشا ہے:

سپردگی کا مجسم سوال بن کے کھلوں
مثال قطرہ شبنم ترا جواب اترے

پروین کا شعری خزانہ کبھی کبھی احتجاج کے ایسے ارتعاش کو جنم دیتا ہے، جس سے تمام دبے ہوئے جذبات کی عکاسی ہوتی ہے اور وہ عورتوں کی سچی آواز معلوم ہوتی ہے۔ پدرسری اور پدری سماج کے ظلم میں پھنسی یہ عورت کی صداقت کا اظہار یہ ہے جہاں ہمیشہ مرد ہی جیت جاتا ہے۔ جس کا عکاس ان کا یہ شعر ہے جو ہر ایک کے لب پر ہوتا ہے:

میں سچ کہوں گی مگر پھر بھی ہار جاؤں گی
وہ جھوٹ بولے گا اور لاجواب کر دے گا

پروین شاکر نے منصب دلبری پر اپنی بحالی کے بارے میں جس انوکھے انداز سے سوچا ہے اور جس طرح محبوب کے مدتوں بعد گلہ کرنے کو اس کا جواز ٹھہرایا ہے وہ ایک خاص قسم کی نسائی عمومیت کا مظہر بھی ہے اور اسی آدم وحوا کی الجھائی ہوئی گتھی کا ایک تار ہے:

مدتوں بعد اس نے آج مجھ سے گلہ کیا
منصب دلبری پہ کیا مجھ کو بحال کیا

پروین شاکر نے وصال اور فراق کے لیے بھی اپنی شاعری میں جمالیاتی استعاروں کو منتخب کیا ہے، جس میں نسائیت کی عکاسی خوب صورتی کے ساتھ کی گئی ہے۔ وہ محبوب کا قرب حاصل کرنے کے لیے چاند، تاروں میں اس کے وجود کو محسوس کرتی ہیں۔

ہجر سے لے کر وصال تک کے درد کی کیفیت اور پھر محبوب سے ملاقات یعنی وصال کی گھڑیوں کو پروین نے ایسی آواز دی ہے جس سے سچے عشق اور ازدواجی زندگی کا وہ احساس ہوتا ہے جس سے میاں بیوی کے رشتوں کی قدر کا احساس ہوتا ہے۔ ان کی شاعری میں واقعی حسین جذبات کی عکاسی ہوتی ہے۔ اس لیے جلتی پیشانی پر ہاتھ رکھنے سے روح تک ان کو احساس ہوتا ہے۔ جیسے کہ:

اس نے جلتی ہوئی پیشانی پر جب ہاتھ رکھا
روح تک آ گئی تاثیر مسیحائی کی

پروین کے یہاں عشق کا ایک ایسا جذبہ ہے جو کہیں بھی کسی بھی وقت ختم نہیں ہو سکتا اور یہی عشق کا وہ جذبہ ہے جو اس کی شریانوں میں آگ کا ردیا بن کر دوڑ رہا ہے۔

ہے رواں آگ کا دریا مری شریانوں میں
موت کے بعد بھی ہو پائے گا پایاب کہاں

احمد ندیم قاسمی ان کی نسوانی شاعری کے پہلو پر اس طرح روشنی ڈالتے ہیں:

''پروین شاکر کی شاعری کو وہی سمجھ سکتے ہیں۔ جو شاعری کو ہر طرح کے تعصب اور جانبداری سے بلند ہوکر پڑھتے ہیں۔ پھر یہ شاعری اس لیے لائق توجہ نہیں ہے کہ اس میں نسائیت ہے یا یہ نسائی سوچوں، نسائی تحریکوں اور نسائی مشاہدوں کی شاعری بھی ہے اصل چیز یہ ہے کہ پروین اپنے ہم عصر کے حقائق کی کیسی کیسی نئی معنویتوں کو بظاہر کتنی سادگی اور بھولا پن سے ، مگر دراصل دانش و وجدان کی تمام ممکنہ رسائیوں کے ساتھ ایک نغمے کی طرح گنگنا دیتی ہیں صرف ذات کی تنہائی کے مسئلے کو لیجیے جو پوری بیسویں صدی کا مسئلہ ہے۔''[۴]

پروین نے جن تاثرات کا برملا اظہار کیا ہے ان میں تیسری ذات کے دو ایسے کردار ہیں جن میں سے ایک تو نسوانی کردار ہے جس کا سرا پروین کے دوست سے ملتا ہے اور دوسرے کا تعلق پروین سے جڑا ہوا ہے۔

پروین کی گھریلو زندگی کے ارتعاشات کی عکاسی اس کی بیشتر نظموں اور غزلوں میں ہوتی ہے جن سے ازدواجی رشتوں کے مسائل اور گھریلو الجھنوں کا پتہ چلتا ہے۔ پروین فطرتاً مشرقی ذہنیت کی ایک خاتون ہیں جو نہ صرف اپنے شریک حیات کو بے انتہا چاہتی ہیں بلکہ ان کی تخلیق کردہ دنیائے عشق میں وہی ان کا عاشق بھی اور معشوق بھی اور ہر عام عورت کی طرح اپنے محبوب سے محبت چاہتی ہیں کیوں کہ ایک طرف عشق جان لیوا ہوتا ہے۔ جب پروین ایسے خیالات سے دو چار ہوتی ہیں تو وہ اپنے آپ سے سوال کرنے لگتی ہیں:

تو مری طرح سے یکتا ہے مگر میرے حبیب
جی میں آتا ہے کوئی اور بھی تجھ سا دیکھوں

پروین کی مشرقی خاتون بھی اس پاسداری کو ساتھ رکھی ہوئی ہے۔ اس لیے اپنے محبوب کے لیے ایک طرف ضبط کمال کر کے اس کی دلہن کو سجانا چاہتی ہے، مگر دوسری طرف وہ اسے کسی بھی حال میں کسی اور کا بننے نہیں دینا چاہتی ہے۔ اسی لیے کہتی ہیں:

کمال ضبط کو خود بھی تو آزماؤں گی
میں اپنے ہاتھوں سے اس کی دلہن سجاؤں گی

نک نیم نظم میں وہ عورت کو گڑیا کا روپ دے کر نسوانیت کے اس روپ کو ظاہر کرتی ہے جو تقریباً ہر عورت کے وجود میں ازل سے موجود ہوتا ہے، لیکن ان کے یہاں نسوانی جذبات نمایاں ہیں۔

پروین کی شاعری میں گھر آنگن کا تصور خوب صورتی کے ساتھ پیش ہوا ہے۔ گھر آنگن کی شاعری کا مرکزی کردار وہی ہوتا ہے جس کا تعلق گھر آنگن سے ہوتا ہے۔ ایک متحرک پیکر کہ جس کا ہر عمل پر کشش ہے جس کا گھریلو زندگی بخشتا ہے، دو محبت کرنے والوں کی دوستی، محبت، وفا، پیار، ایک ایسی گھریلو فضا تشکیل دیتی ہے جس میں عشق و محبت کی واردات، سکھیوں سے چھیڑ چھاڑ اور ان تمام لوازمات کا تعلق ہوتا ہے۔ جس سے نسوانی کردار اپنی زندگی کی تزئین کاری کرتا ہے۔ یہی چھوٹے بڑے واقعات آپسی چھیڑ چھاڑ ایسی چیزیں ہیں جن سے کچھ ایسا ماحول دکھائی دینے لگتا ہے کہ جیسے ہم اپنی آنکھوں سے گھر کی مہک محسوس کرتے ہیں۔ ڈاکٹر روبینہ میران کی گھر آنگن کی شاعری کے بارے میں یوں رقم طراز ہیں:

''پروین کے شعری مجموعے ''خوشبو'' کے حوالے سے اس کی غزلوں میں ایسے اشعار بکھرے پڑے ہیں جنہیں ہم گھر آنگن کے تحت شمار کر سکتے ہیں۔ گھر کا وہ ماحول جس میں کنوارے پن کی مہک بھی شامل ہے اور ازدواجی زندگی کے رنگ بھی عشق کے آزار میں مبتلا ہونا، سکھیوں سے ہمزاد بنا کر ان سے اپنے دل کی باتیں یا ان کی شرارتوں اور چھیڑ چھاڑ کو برداشت کرنا، تنہائی میں محبوب کا گھر آ کر اس کی پیشانی پہ ہاتھ دینا، زبان سے کچھ نہ کہتے ہوئے بھی آنگن میں پازیب کا شور کر کے سب کچھ کہہ دینا یہ وہ تمام کیفیات ہیں جو دبی دبی محبت کا نہ صرف اظہار کرتی ہیں بلکہ سینے میں چھپے ہوئے جذبات کی عکاسی بھی ہوتی ہے۔''[۵]

ان کی غزلوں میں گھر آنگن کی خوشبو دور سے دکھائی دیتی ہے۔ جس سے ان کی شاعری میں نسوانیت کے خزانے کا آسانی سے پتہ چلتا ہے۔

جاں نثار اختر کی رباعیوں کے بعد گھر آنگن کا تصور پروین شاکر کے یہاں پایا جاتا ہے۔ انھوں نے اس تصور کو غزلوں میں ایسا بھر دیا ہے کہ کبھی کبھی محسوس ہوتا ہے ان کی تقریباً ساری شاعری کا خمیر اسی مواد سے تیار ہوا ہے۔ جیسے کہ وہ کہتی ہیں:

جس جا مکیں بننے کے دیکھے تھے میں نے خواب
اس گھر میں ایک شام کی مہمان بھی نہ تھی

آنگنوں میں اترا ہے بام و در کا سناٹا
میرے دل پہ چھایا ہے میرے گھر کا سناٹا

ان کی غزل انانیت اور عورت کے اس وجود کی عکاسی کرتی ہے جو

تقریباً ہر عورت کی رگوں میں ازل ہی سے رواں ہے۔ اس میں مرد کی خود غرضی بھی صاف صاف دکھائی دیتی ہے۔ عورت کی انانیت پر جب ٹھیس لگتی ہے تب وہ بھی انانیت کی حفاظت کے لیے کچھ بھی کرنے کو تیار ہوتی ہے:

کچھ تو تیرے موسم ہی مجھے راس کم آئے
اور کچھ مری مٹی میں بغاوت بھی بہت تھی

پروین شاکر کے تخلیق کردہ شعری سرمائے میں عشق کا ایسا ماحول ہے جہاں دوستی بھی ہے وفا شعاری بھی، رشتے بھی ہیں اور رشتوں کا ٹوٹنا بھی۔ ترک تعلق کے ساتھ ساتھ تردید وفا بھی ہے اور کبھی دونوں کی یاد بھی ایک دوسرے کا سہارا دیتی ہے:

ریت ابھی پچھلے مکانوں کی نہ واپس آئی تھی
پھر لبِ ساحل گھروندہ کر گیا تعمیر کون

احمد ندیم قاسمی ان کی شاعری اور عشق کے بارے میں یوں فرماتے ہوئے نظر آتے ہیں:

''پروین! جذبے کی شدت اور شائستگی کی شاعرہ ہے، جذبے کا سچا، کھرا اور خوب صورت اظہار اس کی شاعری کا کرشمہ ہے، نہ وہ اپنے آپ کو فریب دیتی ہے اور نہ اپنی قاری سے کچھ چھپاتی ہے اس نے محبت کے جذبے کی حیرت انگیز تہذیب کی ہے۔''[6]

ان کی شاعری میں نسوانیت کا وہ جذبہ کارفرما ہے جو ہر عورت محسوس کرتی ہے۔ ان کو بھی اپنے بے تحفظ ہونے کا احساس ہوتا ہے جو جس کو ان کے شعر میں طنزیہ لب و لہجے کے ساتھ محسوس کیا جا سکتا ہے:

بھیڑیے مجھ کو کہاں پا سکتے
وہ اگر میری حفاظت کرتا

پروین شاکر کی شاعری میں اعتراف خطا بڑی خوبصورتی کے ساتھ پیش ہوا ہے۔ یہاں بھی ازدواجی زندگی کے بکھرنے کا قصوار نہیں نہیں ٹھہراتی ہیں بلکہ برابر کے اور دونوں کو قصوروار ٹھہراتی ہیں۔ جیسے:

ہم خود بھی جدائی کا سبب تھے
اس کا ہی قصور سارا کب تھا

پروین کو زیادہ تر زندگی کا سفر تنہائی ہی میں طے کرنا پڑا ہے، لیکن انھوں نے اپنی جان کے قریب ہمیشہ ایک روشن چراغ کو بھی محسوس کیا ''انکار'' کے شعری تناظر میں تجدید وفا کا رنگ پروین کے شعروں میں نمایاں طور پر ابھر کر سامنے آتا ہے جو ہمارے یہاں کی تائید میں ثبوت کے طور پر پیش کیے جا سکتے ہیں۔

تازہ محبتوں کا نشہ جسم و جاں میں ہے
پھر موسم بہار مرے گلستاں میں ہے

زندگی سے سمجھوتہ اور دوست سے مفاہمت پروین کی شعری کائنات میں تلاش محبت کے زاویوں کی حیثیت رکھتے ہیں:

دل کو اس راہ پہ چلنا ہی نہیں تھا
جو مجھے تجھ سے جدا کرتی ہے

ان کی نسوانیت کے ایک جز پر یعنی ازدواجی رشتہ پر ڈاکٹر روبینہ میر یوں رقم طراز ہیں:

''پروین شاکر کے غزلیہ اشعار میں کہیں کہیں ازدواجی رشتے کی طرف بھی اشارے ملتے ہیں۔ جن سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے لیے اس کا اپنا گھر بھی محبس بن گیا ہو۔ ایک گھٹن بھرا ہوا ماحول جس سے فرار ممکن نہیں، لیکن طبیعت مائل بہ فرار بھی ہے۔ اپنے شوہر کے ملتفت نہ ہونے کا احساس بھی اجاگر ہے اور اس بات کا خوف بھی ہے کہ بہت ایسے گھریلو مسائل اور باتیں جن کا گھر کی چار دیواری تک محدود رہنا مناسب ہے۔ کہیں صحن کے باہر تک نہ پہنچ جائیں۔ ہم سفر پر خوشی کا اظہار لیکن پھر اس کے ازدواجی رشتوں کی کشش کا انعکاس ذیل کے شعروں میں دیکھا جا سکتا ہے۔''[7]

پروین شاکر اُردو شاعرات میں ایک ایسی لکھنے والی تخلیق کار ہیں جن کے یہاں روایتی بناوٹ، تکالیف اور خوف نظر آتا ہے، لیکن وہ اپنی روح کو دبانا پسند نہیں کرتی بلکہ اپنی ژرف نگاہی اور حق گوئی سے قاری کو عورت کی نازک اور لطیف ترین کیفیتوں سے آشنا ہونے میں مدد دیتی ہیں۔ ان کی شاعری میں عورت کی سسکتی کراہ نہیں بلکہ احتجاجی رویہ پایا جاتا ہے:

دشمنوں کے ساتھ مرے دوست بھی آزاد ہیں
دیکھنا ہے کھینچتا ہے مجھ پہ پہلا تیر کون

پروین شاکر وجود کے ساتھ وہ انجانے لمس کا احساس پاتی ہیں۔ وہ انجانا لمس شناسا سا بھی ہے اور غیر بھی ہے اپنے وجود کی تہوں میں وہ خود کو تنہا نہیں پاتیں ان کے بہت سے اشعار اس خیال کی غمازی کرتے ہیں:

تو میرے بنا نہ رہ سکا تو
کب تیرے بغیر جی سکی میں

پروین شاکر ان احساسات سے بڑھ کر ایک اور احساس بھی رکھتی ہیں وہ ہے مختلف اذیتوں سے گزرنے کا احساس۔ یہ اذیتیں کہیں اپنی ذات کی عطا کردہ تو کہیں بیرونی خیالات کی عنایتیں۔ پروین ایسی اذیتوں کو سہتی بھی ہیں اور ان کو مزید سہنے کی تاب اور توانائی سے بھی لیس ہیں۔ جیسے:

ہم سفر چھوٹ گئے راہ گزر کے ہمراہ
کوئی منظر نہ چلا دیدہ تر کر کے ہمراہ

ڈاکٹر وسیم بیگم پروین شاکر کی نسوانی شاعری کے بارے میں یوں رقم طراز ہیں:

''پروین شاکر اپنے ہم عصر شعرا کے مقابلے میں ایک الگ پہچان رکھتی ہیں۔ پروین کے لب و لہجے میں ایک نسوانی کردار چھپا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ان کے لب ولہجہ میں بھی نسوانیت جھلکتی ہے چونکہ وہ خود بھی ایک عورت ہیں اس لیے ان تمام خوبیوں کا ان کی غزل میں آجانا ایک نیچرل عمل ہے ان کا محبوب مرد ہے۔ وہ اپنے جذبات وخیالات کا اظہار بڑے والہانہ انداز میں بیان کررہی ہیں۔انھوں نے نسوانی لفظیات کا استعمال بڑے دلکش انداز میں کیا ہے۔پروین خود عاشق ہیں اوران کا محبوب ایک مرد ہے۔''[8]

پروین شاکر کے شعری خزانے میں نیچرل اور مظہر فطرت میں بھی نسوانیت کا حسن ٹپکتا ہے اسی لیے انھوں نے ان چیزوں میں نسوانیت کو بڑی عمدگی کے ساتھ پیش کیا ہے جیسے:

چاند اس دیس میں نکلا کہ نہیں
جانے وہ آج بھی سویا کہ نہیں

بند کمرے میں کبھی مری طرح
شام کے وقت وہ رویا کہ نہیں

پروین کے یہاں نسوانی لب ولہجہ مختلف رنگوں اور رویوں میں نظر آتا ہے۔ان کی غزل میں نسوانی حسّیت پوری آب وتاب کے ساتھ جلوہ گر ہے۔

پروینؔ نے عورتوں کے ان نفسیاتی پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔جن پر بہت کم شاعرات نے نظر ڈالی ہے۔انھوں نے اپنے شعروں سے بھی خوب صورت اشارے کئے ہیں۔جیسے:

بدن کے کرب کو وہ بھی سمجھ نہ پائے گی
میں دل میں روؤں گی، آنکھوں میں مسکراؤں گی

پروین شاکر اپنے محبوب کی ہزار جفاؤں اور ظلم وستم کے باوجود اس کی یاد کو سینے سے لگائے رکھتی ہیں۔جس سے ان کی شاعری میں ایک میٹھی کسک اور ٹیس محسوس ہوتی ہے جس سے ان کی غزل زیادہ پرلطف اور پرکشش بن جاتی ہے:

پروین شاکر کا نسوانی کردار ان کی زبان وبیان اور ان کی لفظیات کا کرشمہ ہے۔جس کی وجہ سے قاری چند لمحوں کے لیے اس درد وکرب میں ڈوب جاتا ہے:

کیا چین ملا ہے سر جو اس کے
شانوں پہ رکھے سسک رہی ہوں

نایاب حسن ایک مضمون میں ان کی نسوانی شاعری کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار یوں کرتے ہیں:

''پروین شاکر کی دلکش وسحر طراز شاعری نے اردو کے لفظیاتی ذخیرے اور تعبیراتی واسلوبی نظام کو بھی نئی اور خوش رنگ،لطیف و حسین تبصروں سے آشنا کیا،انھوں نے اپنے خیال کو الفاظ و اظہار کا جامہ پہنانے کے لیے لفظوں کی ایسی تراکیب نو تراشیں،جن سے اردو ادب کو ایک سے بڑا ایک پیرایۂ اظہار ملا۔''[9]

پروین شاکر نے عشق میں بہت کچھ کھویا،لیکن اپنی انا اور خودداری کو بھی اس عشق پر قربان نہیں ہونے دیا،ان شعروں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان کی شاعری عشق کے تاروں سے بُنی ہوئی ہے۔ان کی عشقیہ شاعری کے بارے میں سردار جعفری اپنے خیالات کا اظہار یوں کرتے ہیں:

''پروین شاکر کی شاعری کا محور عشق ہے،اس کی تشبیہات اور استعارے زیادہ تر فطرت سے لیے گئے ہیں۔دھوپ،سورج، چاند،روشنی،پھول،بادل،پانی،ہوائیں انہی سے مل کر اس کی امیجری کی تعمیر ہوئی ہے۔''[10]

تجھے مناؤں کہ اپنی انا کی بات سنوں
الجھ رہا ہے مرے فیصلوں کا ریشم بھر

میں اس کی دسترس میں ہوں مگر وہ
مجھے میری رضا سے مانگتا ہے

پروینؔ کو زندگی نے ہر قدم پر ڈرایا اور دھمکایا پھر بھی انھوں نے بڑی استقامت سے اس سے بھگتا۔اب یہاں ''خودکلامی'' کے ان موضوعات پر ڈالی جاتی ہے۔جنھیں بالترتیب ہوا مزاج،نظریہ عشق،ہجر و وصال کی دھوپ چھاؤں،آس کی پنکھڑی،چشم سرمہر،تماشہ دگر،اعتراف خطاء اور تجدید وفا درج کیا گیا ہے۔

پروینؔ کی شاعری میں ایسی عورتوں کی بے زبانی اور مظلومیت کا اظہار ملتا ہے۔نظم ''صرف ایک لڑکی'' میں ایک نچیلی انداز میں سورج اور پانی قطرے پر سورج پڑتا ہے تو اس میں دھنک کے رنگ پھوٹتے ہیں۔ بالکل اسی طرح عورت کی زندگی میں ایک مرد کی اہمیت ہے مرد جب تک اپنی محبت بھری نظروں سے دیکھتا ہے تب ایک عورت کی خوشی اور امید

برقرار ہوتی ہے اور جونہی بے توجہی برتتا ہے، تو وہ عورت سادہ اور بے رنگ پانی کے ایک قطرے کی مانند رہ جاتی ہے یعنی ویران اور خوشیوں اور امیدوں سے خالی ایک نظم ملاحظہ فرمائیں:

''پرزم'' / میرا ابھی ایک سورج ہے / جو میرا تن چھو کر مجھ کو / قوس قزح کے پھول اگائے / ذرا بھی اس نے زاویہ بدلا / اور میں ہوگئی / پانی کا اک سادہ قطرہ / بے منظر، بے رنگ!

ڈاکٹر حلیمہ فردوس ان کی نسوانی شاعری کے بارے میں یوں رقم طراز ہیں:

> ''جہاں تک صنفی مساوات کا تعلق ہے نسائی شاعری کی ماہ تمام پروین شاکر کی شاعری میں پیار و محبت سے متعلق مرد کی نفسیات کی باتیں تو ملتی ہیں، لیکن صنفی مساوات کے تئیں انھوں نے اجتہادی رویہ نہیں اپنایا۔''[11]

پروین شاکر کی وہ نظمیں جو تانیثی جذبات و محسوسات کی حامل ہیں۔ ان میں ''گیلے بالوں سے چھنا سورج'' ورکنگ وومن، بے پناہی، سجدہ، سالگرہ، واٹرلو اور لیڈی آف دی ہوس، وغیرہ کو مثال کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔ ان نظموں کے علاوہ بھی بہت سی نظمیں ہیں جن میں نسائی شعور اور لب و لہجہ موجود ہے ''گیلے بالوں سے چھنا سورج'' نظم ملاحظہ ہو:

شوخ کرن نے / بے ساختہ نہیں دی / پلکوں تک آتے آتے / سورج کی ہنسی بھی / گوری کی مسکان کی صورت / سات رنگ میں بھیک چکی تھی۔

پروین شاکر کی شاعری خالص مشرقی عورت کی شاعری ہے۔ اس کا مرثیہ ہے اور جو ایک مجسم حسن و وفا ہے۔ مشرقی عورت اپنا ماضی نہیں بھولتی، جب کہ مرد ماضی کو بھول کر اپنی ایک نئی دنیا بسا لیتا ہے۔ پروین کی نظموں میں یہ موضوع بہت واضح طور پر ابھر کر سامنے آیا ہے۔ مرد کی بے وفائی اور سنگدلی کا شکوہ بھی نظم ''آنے والے کل کا دکھ''، ''تو کبھی'' چاندنی رات، اور کبھی، ردعمل میں صاف طور پر دیکھنے کو ملتا ہے۔

چاندنی رات / ہوا! کچھ آج کی شب کا بھی احوال سنا / کیا وہ اپنی چھت پر آج اکیلا تھا؟ / یا کوئی میرے جیسی ساتھی تھی، اور اس نے / چاند کو دیکھ کے اس کا چہرہ دیکھا تھا؟

ڈاکٹر نسیم اختر پروین شاکر کے نسوانی پہلو پر یوں رقم طراز ہیں:

> ''پروین شاکر کے پاس یقیناً عورت کی انفرادیت اور اس کے وجودی تشخص کو اہمیت حاصل ہے، لیکن ان کے کلام کا غالب حصہ ان صحت مند اقدار پر مبنی ہے جو مرد و زن کے اتفاق سے وجود میں آتی ہیں۔ ہم پروین شاکر کی شاعری کو ایک مشترکہ اور مخلوط نظام فکر کے نقطۂ آغاز سے تعبیر کر سکتے ہیں۔''[12]

غرض پروین کی شاعری میں اس عورت کی عکاسی ہوئی ہے۔ جو مظلوم اور بے کس ہوتی ہے۔ جس کو معاشرہ اور سماج بھی ٹھکراتا رہتا ہے۔ وہ اپنی ازدواجی زندگی میں کبھی سکھ اور خوشی حاصل نہ کر سکی جس کی ہر شادی شدہ عورت متلاشی ہوتی ہے۔ ان کی سب خواہشیں اور ارمان سینے میں دفن ہوئے ہیں پوری زندگی یہ تمنائیں اور آرزوئیں سر اُبھارتی رہیں اور ان ارمانوں کو انھوں نے اپنے درد و غم میں سمو کر پیکر میں ڈال دیا ہے۔ اس لیے ان کا غم انفرادی نہیں ہے بلکہ وہ آفاقی بن کر سامنے آیا ہے۔ آخر میں ہم اسی نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ پروین شاکر کی شاعری نے برصغیر کی اردو شاعری میں نسوانی آواز کو ایسا بجایا کہ کوئی بھی یہ سننے سے انکار نہ کر سکا۔ ان کی شاعری سے واقعی نسوانیت کی مہک چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے۔ جس سے اردو شاعری کی فضا معطر ہے:

مر بھی جاؤں تو کہاں، لوگ بھلا ہی دیں گے
لفظ میرے مرے ہونے کی گواہی دیں گے

حواشی:

١۔ روبینہ میر، اردو غزل کی ماہ تمام پروین شاکر، ص: ۱۳۰۔۱۳۱
٢۔ احمد پراچہ، پاکستانی اردو ادب اور اہلِ قلم خواتین، ص:
٣۔ احمد ندیم قاسمی ''خود کلامی کی پروین'' چارسو، پروین شاکر نمبر، شمارہ نمبر ۲۶۔۲۷، ص: ۱۸
۴۔ احمد ندیم قاسمی ''خود کلامی کی پروین'' چہارسو، ماہنامہ راولپنڈی، ص: ۱۸
۵۔ ڈاکٹر روبینہ میر ''اردو غزل کی ماہ تمام پروین شاکر'' ص: ۶۰
٦۔ سردار جعفری ''نئی خوشبو'' چہارسو، ص: ۲۲
۷۔ اردو غزل کی ماہ تمام پروین شاکر ''ڈاکٹر روبینہ میر'' ص: ۱۱۸
۸۔ ڈاکٹر وسیم بیگم '' آزادی کے بعد اردو غزلِ، تہذیبی مضمرات ادبی تحریکات اور عام شعرا، ص: ۵۰۳
۹۔ نایاب حسن ''اردو شاعری کی ماہ تمام پروین شاکر'' اردو دنیا، نومبر ۲۰۱۷، ص: ۳۴
۱۰۔ سردار جعفری ''نئی خوشبو'' چہارسو، ماہنامہ، راولپنڈی، ص: ۲۲
۱۱۔ ڈاکٹر حلیمہ فردوس ''نسائی شاعری اور صنفی امتیازات'' اردو دنیا، اگست ۲۰۱۴، ص: ۴۷
۱۲۔ ڈاکٹر نسیم اختر ''تانیثی ادب اور چند شاعرات'' اردو دنیا، مئی ۲۰۱۳، ص: ۴۰

◆◆◆
◆◆◆